فکری نشست، زیر اہتمام شاہ ولی اللہ سوسائٹی پاکستان

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی شخصیت

تحریر: حضرت میاں ظہیر الحق صاحب دین پوری

شاہ ولی اللہ سوسائٹی پاکستان شیرانوالہ دروازہ لاہور کے زیر اہتمام ۱۲ مارچ ۱۹۹۱ء بروز منگل مدرسۃ البنات کے کشادہ صحن میں ایک فکری نشست زیر صدارت جانشین امام الہدیٰ حضرت مولانا محمد اجمل قادری مدظلہ العالی منعقد ہوئی۔ اس نشست کے مہمان خصوصی ایڈووکیٹ جنرل پنجاب جناب مقبول الٰہی ملک تھے۔ یہ نشست امام انقلاب حضرت سندھیؒ کے یوم ولادت کے حوالے سے منعقد کی گئی تمام مقررین نے حضرت سندھیؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی۔ امام انقلاب کے نواسے حضرت مولانا ظہیر الحق دین پوری مدظلہ نے "حضرت سندھیؒ کی شخصیت" پر بھرپور اور مفصل مقالہ پڑھا، اور پروفیسر محمد اسلم، پروفیسر عبید اللہ خان، جناب نذیر احمد غازی، اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب، اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے محقق جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ڈاکٹر میاں محمد اکمل قادری مدظلہ العالی، جناب جانباز مرزا اور مولانا ظہیر الحق دین پوری کے نواسہ جناب عبدالرحمٰن صدیقی نے بھی خطاب کیا۔

قارئین کے استفادہ کے لیے اس نشست میں حضرت میاں ظہیر الحق صاحب دین پوری کا پڑھا گیا مقالہ پیش خدمت ہے۔

(سید ظہیر میر ایڈووکیٹ)

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ضلع سیالکوٹ پنجاب کے موضع چیاں والی میں ایک معزز زرگر سکھ خاندان میں پیدا ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سات سال کا تھا تو اسکول ہی میں مجھے ایک ہم مکتب مسلمان لڑکے سے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "تقویت الایمان" ملی اس سے متاثر ہوکر کلمہ شریف پڑھ لیا اور پھر "پکی روٹی" پنجابی زبان میں پڑھی۔ اس کے مصنف سے مجھے عقیدت ہوگئی۔ اس لیے ان ہی کے نام پر ہی میں نے اپنا نام عبیداللہ رکھ لیا (اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک پنجابی کی حیثیت سے مجھے پنجاب سے بے پناہ محبت تھی اور اسلام قبول کرنے کے بعد پنجابی صوفی بزرگ شاعر سے متاثر ہونا ایک فطری بات تھی۔ اسی لیے میری پنجابیت اسلام سے متعارض نہ ہوئی) اور اسلام سیکھنے کے لیے میں گھر سے نکل گیا۔ اللہ نے مجھے سلطان العارفین حضرت حافظ محمد صدیقؒ کے حضور پہنچا دیا (ان کی خانقاہ عالیہ بھرچونڈی شریف ضلع سکھر سندھ میں ہے) میں نے ان سے بیعت کرلی۔

انھوں نے اپنی جماعت سے فرمایا "عبیداللہ نے اللہ کی رضا کے لیے اپنا ماں باپ چھوڑا ہے آج سے ہم اس کے باپ ہیں"۔ سلطان العارفین کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انھوں نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اسی مناسبت سے میں سندھی کہلانے لگا۔ اسی طرح پنجاب کے مشہور صوفی شاعر "سید بلھے شاہ" اپنے مرشد سے حد درجہ کی محبت کے باعث اپنے آپ کو سید کی بجائے مرشد کی ذات الآئیں کہلانے میں اپنے لیے عزت افزائی سمجھتے تھے۔

مرشد سے میرا جو قلبی تعلق تھا اس وجہ سے سندھی کہلانا میری مجبوری ہی نہیں بلکہ میں اپنے لیے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں تب سے میں سندھ کو اپنا گھر سمجھتا ہوں، میری تمام دینی اور دنیاوی وابستگیاں سندھ سے ہیں پھر جستجو علم میں سیدھا دیوبند (انڈیا) پہنچا۔ وہاں مجھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جیسا کامل استاد ملا۔

(ذاتی ڈائری)

تکمیل علم کے بعد جب انھوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو پھر عظیم سیاست دان کی حیثیت سے شہرت پائی، تحصیل علم کے بعد حضرت سندھیؒ دارالعلوم دیوبند سے واپس بھرچونڈی شریف (خیرپور ضلع سکھر سندھ) پہنچے اس وقت ان کے مرشد سلطان العارفین وفات پاچکے تھے۔ وہاں انھوں نے اپنے مرشد کے سب سے بڑے خلیفہ، حضرت خلیفہ غلام محمد قدس سرہٗ بانی دین پور شریف سے بیعت کرلی تھی اور اپنا سیاسی مرکز دین پور شریف ہی کو بنایا۔ جلاوطنی کے وقت سے پہلے ان کی انقلابی جدوجہد میں کوششوں کا ایک حصہ دین پور ہی میں

تکمیل ہوا۔ یعنی یہاں اسلحہ جمع کیا گیا۔ بارود اور کارتوس بنانے کے زیر زمین انتظامات کیے گئے اور آج بھی ان تہہ خانوں کے آثار موجود ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے جب ان کو کابل جانے کے لیے حکم دیا، تو جاتی بار انھوں نے ماہ رمضان المبارک میں یہاں قیام فرمایا۔ اور اپنی تیاری کے انتظامات مکمل کیے۔ حکومت برطانیہ نے ان کے خلاف وارنٹ گرفتاری کے جاری کر دیئے تھے۔ پولیس کو ان کی تلاش تھی۔ دین پور شریف کے جس کتب خانے میں انھوں نے یہ دن گزارے تھے وہ کتب خانہ ڈیڑھ سو سال کہنہ عمارت کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ اس سے ملحقہ مسجد کو گرا کر اب اسے نیا بنا دیا گیا ہے چونکہ یہ بھی مسجد کا ایک حصہ ہے، اسے بھی گرنا تھا مگر عقیدت مندوں کی بروقت مداخلت سے وہ گرنے سے بچ گیا۔ یہ ایک تاریخی عمارت ہے جو کل تک شاید نہ رہے۔

حضرت سندھیؒ نے کابل پہنچ کر "سلک لیٹر موومنٹ" چلائی۔ یہ ریشمی رومال کی صورت میں ایک خط تھا، اس رومال میں بنتی کے اندر لکھائی تھی۔ کابل سے حکومت کے وزیر حضرت سندھیؒ کی طرف سے یہ ہدایات ہندوستان میں تحریک کے مراکز دیوبند، دہلی، لاہور، ضلع رحیم یار خان میں دین پور شریف، سندھ میں کراچی پہنچیں۔ ایک خط لاہور میں سی۔ آئی۔ ڈی کے ہاتھ لگ گیا۔ دین پور شریف میں بھی گورا فوج نے چھاپہ مارا مگر تحریک کی خفیہ تنظیم نے چند گھنٹے پہلے حضرت خلیفہ غلام محمد قدس سرہٗ بانی دین پور شریف کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد تمام اسلحہ راتوں رات زمین میں رکھ کر اس کے اوپر بیلوں کے ذریعے مٹی پڑھا کر کھنڈر بنا دیئے اور تمام بارود ساتھ والی نہر میں بہا دیا گیا۔ اس طرح چھاپہ مار پارٹی کے ہاتھ میں کچھ نہ آیا۔ مدتوں بعد وہ کھنڈر آہستہ آہستہ آباد ہو چکے ہیں مگر وہ نہر اب بھی وہاں جاری و ساری ہے۔

ان کی جدوجہد آزادی میں ایک حصہ ایسا بھی ہے کہ انھوں نے حکومت برطانیہ کے خلاف باقاعدہ فوج کھڑی کر کے اسلحہ سے جنگ لڑی اور اس طرح اقوام عالم میں اپنے طاقت کا لوہا منوایا ۱۹۱۴ء کی عالمی جنگ کے زمانہ میں دنیا کی عظیم طاقت حکومت برطانیہ کے خلاف کابل میں جنگ لڑی۔ اس سے افغانستان کو آزاد کرایا اور اپنے دیرینہ حریف عظیم برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دے اور اسی جنگ کے خاتمہ پر ان سے ایک معاہدہ کے ذریعے حکومت برطانیہ نے پچیس سال کے اندر ہندوستان کو تین مراحل میں آزادی دینا تسلیم کیا (اس معاہدے کے مطابق ہی ہمیں تین مراحل میں آزادی نصیب ہوئی) پہلے ہوم رول، ڈومینین اسٹیٹس پھر مکمل آزادی) اور "مسٹر ہمفرے" نمائندہ برطانیہ نے دستخط کرتے ہوئے لکھا کہ یہ

معاہدہ ہم حکومت کابل سے نہیں بلکہ مولانا عبیداللہ سندھی سے کر رہے ہیں" (نقش حیات" تصنیف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند انڈیا بھارت) اس وقت حضرت سندھیؒ کابل میں "پروویژنل گورنمنٹ" کے وزیر ہند تھے برطانیہ میں شائع ہونے والی ایک تاریخی کتاب "افغان وی تھرو وار" میں یہ حالات تفصیلاً موجود ہیں۔

وہ ایک بے تاج بادشاہ ہیں ۱۹۴۷ء کی عالمی جنگ کے تاوان کے خلاف حکومت برطانیہ نے سپیشل عدالت کے سامنے "ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبیداللہ سندھیؒ" کے عنوان سے اپیل دائر کی اور اپنی خفیہ بولیس کی رپورٹوں پر مبنی دستاویزی ریکارڈ پیش کرکے یہ ثابت کیا کہ جنگ کے اصل محرک "مولانا عبیداللہ سندھیؒ" ہی ہیں، چنانچہ فیصلہ میں تاوان حضرت سندھیؒ کے ذمہ ڈال دیا گیا۔ ان کی طرف سے یہ تاوان آزادی تک حکومت ہند ہی ادا کرتی رہی۔ اس لیے کہ عدالت نے اپنے فیصلے میں حضرت سندھی کی شخصیت کو پروویژنل گورنمنٹ آف انڈیا کے وزیر کی حیثیت سے تسلیم کیا کہ اس کے ساتھ ہی ان کے اس اعزاز کو بھی اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا کہ اس وقت آل انڈیا کانگریس کمیٹی مرکزیہ کابل کے وہ صدر بھی ہیں۔ ایک ملک کے سربراہ کے خلاف اس کی عدم موجودگی میں اس کے ذمہ واجب الادا رقم کی ادائیگی اس ملک کے خزانہ کے ذمہ ڈال دی جاتی ہے چونکہ حضرت سندھیؒ "انڈین" تھے، اس لیے تاوان انڈیا ہی کو ادا کرنا تھا۔ حضرت سندھیؒ کے خلاف اپنی عدالت سے فیصلہ کرکے اپنے غلام انڈیا پر ادائیگی کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ یہ عام واقعات انڈیا آفس لنڈن کے دستاویزی ریکارڈ پر مبنی "تحریک شیخ الہندؒ" کے نام سے شائع شدہ کتاب میں موجود ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار انڈیا میں "حضرت سید اسعد مدنی ممبر لیجسلیٹو کونسل آف انڈیا" نے شائع کی اور پاکستان میں مکتبہ مدینہ کریم پارک والوں نے اسے شائع کیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ نظریہ پاکستان کے خالق ہم ہیں، مگر تاریخ کہتی ہے کہ یہ حضرت سندھیؒ نے دیا تھا انہوں نے اپنی جلاوطنی کے ایام میں ۲۸ فروری ۱۹۲۵ء کو جو مکتوب مرحوم اقبال شیدائی کے نام لکھا تھا۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ "سب سے پہلے مسئلہ تقسیم کا نظریہ میں نے کابل میں ۱۹۱۶ء کو لکھا تھا مولوی احمد علی (شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ) کو اس کی پوری تعلیم دے کر واپس بھیجا تھا۔ ڈاکٹر اقبال اور فضل حسین پنجاب کو تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ حضرت سندھیؒ کا دعویٰ ہے کہ لالہ لاجپت رائے نے جو تجویز پیش کی تھی۔ کابل میں ان سے ملاقات کے بعد پیش کی تھی۔ اس وقت حضرت سندھیؒ آل انڈیا

کانگریس کمیٹی مرکزیہ کابل کے صدر تھے ۱۹۱۶ء کا یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنو میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے باہمی تعاون اور بھائی چارے کے ایک معاہدے پر دستخط کر رہے تھے۔

حضرت عبیداللہ سندھیؒ کے سیاسی مکتوبات کے مصنف میرے قابل صد ستائش محترم پروفیسر اسلم دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "۱۹۲۴ء تا ۱۹۴۹ء میں برصغیر کی سیاست کی بہت سی گتھیاں ان کے خطوط کے مطالعہ سے حل ہوئیں" پھر لکھتے ہیں کہ "لاجپت رائے نے کابل میں حضرت سندھیؒ سے ہدایات لینے کے بعد ۱۹۲۵ء میں جو تجویز پیش کی تھی "آزادی سے برہم پتر تک" کے عنوان سے وہ کئی انگریزی اخبارات میں چھپی پھر قائداعظمؒ نے بھی اپنے خطبہ لاہور میں اسی سے مفصل اقتباس پیش کیے" اس تجویز کے مطابق ہی سرحد، سندھ، مغربی پنجاب اور مغربی بنگال پر مشتمل علاقہ پاکستان کے نام سے ایک مسلم انڈیا کی حیثیت سے علیحدہ ملک بنا کر ہمارے حوالے کیا گیا۔ مگر جلاوطن سندھی کا نام تک نہ آیا۔

۱۰ ستمبر ۸۲ء کے "مشرق" کے اسی مضمون میں اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ہم مسلمانوں کی ایک بدنصیبی یہ ہے کہ اس صدی کے آغاز میں مسلم لیگ کی متوازی قیادت جو بھی ابھری، اس سے ہم نے ہمیشہ اغماض برتا اور اس کی خدمات کانگریس کے کھاتے میں ڈال دیں حالاں کہ اس مسلمان قیادت کو کانگریس سے بھی کوئی حسن ظن نہیں تھا" صرف یہ نہیں بلکہ امام سندھیؒ نے اپنی فکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کے زور سے عالمی برادری میں اپنی پارٹی کو بلند مقام دیا۔ ۱۹۲۰ء کو جب حضرت سندھیؒ اشتراکی روس پہنچے تو اس وقت کے اشتراکی مدبرین نے ملک کے اندر مذہبی رسومات اور عبادات پر پابندی عائد کر رکھی تھی (حیدرآباد سندھ کے ایک ہوٹل میں قیام کے دوران میں رات کی محفل میں مولانا عبدالقادر لغاری شاید جو جونگل سے تھے کی موجودگی میں) فرمایا: اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی سزائیں تھیں۔ وزیر ہند اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی مرکزیہ کابل کے صدر کے اعزاز کو ملحوظ رکھ کر ہوٹل میں شایان شان اشتراکی روس نے ہمارے قیام کا انتظام کیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو ہم نے ہوٹل ہی میں نماز ادا کی۔ اس وقت فضل الٰہی قربان موجود تھے انھوں نے بہت سمجھایا کہ اس نماز کی سزا یہاں موت ہے۔ آپ نماز نہ پڑھیں (جناب فضل الٰہی قربان لاہور کے کشمیری بازار کے کسی محلے کے رہنے والے تھے) گورنمنٹ کالج لاہور کے گریجویٹ گروپ کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت سندھیؒ کے ساتھ کابل گئے تھے وہیں سے ریشیہ کو روانگی سے پہلے قربان کو ریشیہ بھیجا تھا تاکہ وہاں کے نئے نظام کی معلومات حاصل کر کے حضرت کو اس سے آگاہ کریں وہاں جب پہنچے تو قربان نے حضرت کو نئی حکومت

کے تقاضے اور آداب سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ حضرات کی دلچسپی کے لیے قربان مرحوم کے ساتھ ایک یادگار ملاقات کا واقعہ عرض ہے۔

حضرت سندھیؒ پچیس سال کی جلا وطنی کے بعد جب لاہور آئے تو ان کا قیام "قاسم العلوم" میں تھا۔ چند دن بعد ایک صبح شیرانوالہ کی مسجد میں امام العارفین شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ چھوٹی مسجد میں حسب معمول درس دے رہے تھے حضرت سندھیؒ نصف درس چھوڑ کر بڑی مسجد میں حوض پر آکر بیٹھ گئے۔ مجھے حکم فرمایا کہ تم ہمارے لیے پانی لے آؤ میں بڑی مسجد کراس کرکے چھوٹی مسجد کے باہر کے دروازے تک پہنچا۔ تو وہاں ایک ادھیڑ عمر کے جانی دیوبند مگر نہایت سادہ خاکی رنگت کی پینٹ اور تسمہ والے بوٹ پہنے ہوئے سر سے ننگے ایک صاحب نہایت ہی پیارے لہجے میں پہلے انگلش میں پھر مٹھا موری کہہ کر لاہوری زبان میں پوچھا کہ "باجی اُٹھے ہیں"؟ میں نے جواب میں حضرت سندھیؒ کا نام لیا تو انھوں نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر میں انھیں وہاں تک چھوڑ آنے کے لیے ان کے ساتھ ہو لیا۔ آپ بیٹھے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔ قربان بوٹوں سمیت مسجد میں داخل ہو گئے۔ میں حیران ہو گیا کہ کیسا آدمی ہے شاید مسلمان نہیں ہے میں یہ سوچتے ہوئے ان کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اچانک جماعت میں سے کسی نے دیکھا تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ کوئی شخص جوتوں سمیت مسجد میں جا رہا ہے پھر یہ شور بڑھتا گیا جماعت کے پانچ دس آدمی دوڑتے ہوئے ہمارے پیچھے آرہے تھے حضرت سندھیؒ نے فضل الٰہی قربان کو دور سے دیکھا تو پہچانا اور کھڑے ہو گئے بڑے زور سے بولے قربان، تم قربان تم کہکر انہیں گلے سے لگالیا اور ان کی پیشانی پر بوسے دیئے۔ یہ سب کچھ مجمع دیکھتا رہا۔ حضرت وہیں تالاب پر بیٹھ گئے قربان بھی ان کے ساتھ بوٹوں سمیت بیٹھ گئے۔ اب مجمع کی طرف حضرت متوجہ ہوئے تو ان کی قیادت کرنے والے" انجمن خدام الدین شیرانوالہ کے اس وقت کے کرتا دھرتا" خلیفہ شہاب الدین" نہایت ہی سخت بزرگ تھے وہ اپنے منتظمانہ انداز میں بڑے زور سے بولے۔ یہ بے شرم مسجد میں جوتے کے ساتھ چلا آیا ہے اس کو شرم نہیں آئی پھر قربان کی طرف متوجہ ہو کر انھیں کہتا ہے وہاں بے تو مسلمان ہے یا کافر؟ اتنا کہنا تھا کہ حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا یوں لگتا تھا جیسے ان لوگوں پر خدا کا قہر نازل ہونے والا ہے بڑے جلال سے فرمایا کہ " یہ مسجد تمھارے باپ کی ہے یہ مسجد میرے رب کا گھر ہے اس میں ہر انسان ہر وقت کسی بھی صورت اور شکل و لباس میں آسکتا ہے۔ خدا کے گھر پر بھی مذہب کی اجارہ داری ہے جاؤ، دفع ہو جاؤ اپنے کتنے ہی ارمانوں کے بعد ہم نے یہ لعل و گوہر جمع کیے ہیں۔ یہ محروم نسیان، دین کے ٹھیکیدار اور روٹی کے دشمن ہمارے دکھ کو کیا جانیں۔ یہ کہتے ہوئے حضرت کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اور ایک بار پھر قربان کا بوسہ لیا۔

لوگوں کو جمع دیکھ کر سخت لہجہ میں فرمایا - جاؤ دفع ہو جاؤ! وہ چلے گئے تو قربان نے سوال کیا کہ حضرت ترکی میں تو ہم ان بوٹوں سمیت نماز با جماعت پڑھا کرتے تھے اور آپ بھی ہمارے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ آپ نے تو کبھی ہمیں یہ نہیں بتایا کہ اس طرح سے خدا کے گھر کی تذلیل ہوتی ہے۔ ہمارا ملک شاید دنیا سے کئی ہزار سال پیچھے ہے۔ ترکی میں تو ائیرکنڈیشن مساجد نمازیوں سے بھری رہتی ہیں اور ان میں بوٹوں سمیت امام جماعت کراتا ہے قربان کے بوٹوں سمیت مسجد میں داخل ہونے پر تو تلخی جماعت نے کی۔ یہ تمام واقعہ جماعت نے حضرت شیخ التفسیر کی خدمت میں عرض کیا۔ یہ سن کر حضرت اسی وقت باہر تشریف لے آئے اور قربان سے اس بات پر جماعت کی طرف سے انتہائی معذرت کی، یہ ہیں قربان جنھوں نے حضرت کو رشیہ میں نماز پڑھنے سے روکا تھا۔ مگر باوجود اس کے حضرت سندھیؒ نے نماز ادا کی۔

حضرت نے فرمایا اس پر "مسٹر چیچرن" وزیر خارجہ نے ہم کو متنبہ کیا۔ ہم نے اسے کہا کہ میں نماز اس لیے نہیں پڑھتا کہ یہ ایک مذہبی رسم ہے مسلمان کی حیثیت سے مجھے ایسا کرنا ہے بلکہ میں نے نماز اس لیے پڑھی ہے کہ یہ نماز ہر انسان کا بنیادی حق ہے میں ایک انسان ہونے کے ناطے اپنے اس حق کے تحفظ کے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں، مر سکتا ہوں مگر یہ حق نہیں چھوڑ سکتا۔ رشیا کے وزیر خارجہ نے ہمیں وہاں بھیج دیا جہاں انقلابی پارٹی کے مدبر اور پالیسی میکروں کا مرکزی دفتر تھا اور اس میں ایک بے مثل لائبریری بھی تھی جب ان مدبروں سے گفتگو شروع ہوئی تو ہم نے کہا اگر آپ لوگ شاہ ولی اللہؒ کو اپنا امام مان لیں تو میں ان کے ذریعہ سے آپ کو یہ سمجھا سکتا ہوں کہ نماز اسلامی نقطہ نگاہ سے ہر انسان کے بنیادی حقوق میں داخل ہے۔

انھوں نے ذہنی طور پر یہ بات سمجھنے کے لیے شاہ ولی اللہؒ کی امامت کو تسلیم کیا۔ اور ہم نے سلسلہ بحث کو شروع کرتے ہوئے کہا کہ "یہ جسم آپ کا اور میرا جو مادے سے بنا ہوا ہے آپ نے اس بنیادی حقوق کا تعین کیا۔ پھر اس کا تحفظ کرنے کے لیے آپ نے تحریک چلائی ہزاروں لوگ مر گئے، مدتیں بیت گئیں۔ اب جاکر کہیں آپ کو اس میں کامیابی ملی۔ مگر یہ جسم مادہ سے بنا ہے آپ جانتے ہیں کہ اس کو فنا ہو جانا ہے ایک فانی جسم کے لیے آپ نے سب کچھ کیا۔ یہ جسم جو کہ اصل انسان کا عکس ہے اور یہ عکس فانی ہے۔ اس عکس کے اندر کا اصل انسان جو کہ طاقت کا سرچشمہ ہے جو کہ غیر فانی ہے اور اس کا محرک ہے اس کے بنیادی حقوق نہ ہوں یہ آپ کی ناانصافی ہے بات کو نقلی دلائل دینے کے لیے

میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کی جس کتاب کا نام لیا انھوں نے اصل کتاب پھر اس کا انگریزی ترجمہ میرے سامنے رکھ دیا۔ جب میں نے علمی دلائل سے ان کو قائل کیا تو اشتراکیت کی مرکزی جماعت نے اس کو تسلیم کیا کہ واقعی نماز بھی انسان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے میری وضاحت سے انھوں نے بہت سکون محسوس کیا بحث جب چل نکلی تو اسلامی معاشیات، اقتصادیات بھی زیر بحث آئیں بعض شقوں پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس مسئلہ کی تشریح تو کارل مارکس نے بھی اس سے ملتی جلتی کی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہؒ نے کارل مارکس کے نظریات کی چوری کی ہے۔

میں نے ان کو کارل مارکس کے فلسفہ کی بنیادی کتاب سے اس کی تاریخ پیدائش اور سن وفات بتایا اور شاہ ولی اللہؒ کے تذکرہ کی رو سے ان کی تاریخ پیدائش اور سن وفات نکال کر کہا کہ شاہ ولی اللہ نے ۱۷۶۲ء میں وفات پائی جب کہ کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۳ء میں وفات پائی (داس کیپٹل) تصنیف کی۔

اشتراکی مینی فسٹو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا، اس کی قائم کردہ پہلی انٹرنیشنل کا اجلاس ۱۸۶۴ء میں منعقد ہوا جس میں پروگرام کا پہلی دفعہ تعارف کرایا گیا۔ اس حساب سے امام ولی اللہ پہلی انٹرنیشنل سے ایک سو دو سال پیشتر اور مارکس کے اعلان اشتراکیت کی اشاعت سے پچاسی سال پیشتر علائے کو اسلامی نظریات پر ایک فلسفہ حیات دے کر وصال پا چکے تھے۔ حضرت نے فرمایا اس حساب سے تو ممکن نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ نے مارکس کے فلسفۂ حیات سے کوئی فکری چوری کی ہو۔

انھوں نے مزید فرمایا کہ ۱۷۵۰ء تک یورپ نے بھی سماجی ارتقاء اور فلسفۂ اجتماع پر کوئی واضح فکر پیش نہیں کیا۔ یہ شاہ صاحب کا دور گنا جاتا ہے جب کہ شاہ صاحب نے اپنی انقلابی فکر کا آغاز سماجی ارتقاء کے ذکر اور تعین سے کیا ہے۔ مطلق ارتقاء کا نظریہ جیسے ڈارون نے پیش کیا تھا وہ بھی انیسویں صدی میں پیش کیا گیا۔ ڈارون ۱۷۰۹ء میں پیدا ہوا حیاتیاتی ارتقاء پر اس کی کتاب ۱۷۵۹ء میں شائع ہوئی، ہیگل ۱۷۷۰ء میں پیدا ہوئے اس کی کتاب افکار کے نام سے ۱۹ جلدوں میں مدون کر کے ۱۸۳۲ء میں اس کے شاگردوں نے شائع کی اس طرح شاہ ولی اللہ صرف یورپین اقوام ہی نہیں بلکہ عالم انسانیت کے ممتاز ترین مفکر ہیں جنھوں نے انسانیت کو سماجی ارتقاء اور فلسفۂ اجتماع دے کر اللہ کی مخلوق پر احسان عظیم کیا ہے۔

فرانس کے مشہور فلاسفر روسو ان کے ہم عصر تھے ان کی کتاب "سوشل کنٹریکٹ" ۱۷۶۲ء کو لکھی گئی

اور اسی سال شاہ صاحب کا انتقال ہوا۔ سلسلہ بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ دولت کی تقسیم اور حق ملکیت پر حضرت نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی تشریحات کے مطابق اسلام میں شخصی ملکیت کا تصور موجود ہے مگر یہ جبر اور اکراہ نامناسب عوامل سے پاک ہی نہیں بلکہ معاشرے کے لیے اس کی یہ ایک ضرورت ہے اس کے حق میں دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ محنت اور سرمائے کی جنگ میں جب محنت کو شکست ہوگئی تو محنت کی مارکیٹ میں بولی ہونے لگی پورے معاشرے میں اس کی خرید و فروخت کا سلسلہ شروع ہوکر ذلت کی انتہا تک اس کو پہنچایا گیا جب کہ معیشت میں سرمائے کے برابر کا اس کا کردار ہے۔ سرمایہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں جب تک محنت اس کا ساتھ نہ دے لیکن سرمایہ دار نے محنت کو تاریخ کی پیشانی سے ہٹا کر اصل الاصول مان لیا ہے اور ہر چیز کا مالک اکیلا یہ سرمایہ خود بن بیٹھا۔ یہاں سے محنت کی قیمت لگنا شروع ہوئی اور سرمایہ دار نے من مانی قیمت ادا کرکے محنت کو کھلی مارکیٹ سے خریدنے کی رسم بنا دی۔

صدیوں ظلم سہتے ہوئے محنت سے جب کروٹ لی تو اس نے سرمائے سے وہی سلوک کیا جو اس نے محنت سے روا رکھا تھا یہاں تک کہ محنت کار نے سرمایہ دار کے بہت بڑے بت "شخصی ملکیت" کو معدوم کر دیا۔ یہ دونوں طرف سے ہر دو کا اقدام انتقامانہ اور محنت جذباتی ہے جب کہ اسلام نے سرمائے اور محنت کے درمیان ایک حسین امتزاج پیدا کرکے شخصی ملکیت کے حق کو محنت کا ہی فطری حق تسلیم کیا ہے کسی کو کچھ ملتا ہے تو وہ محنت کا مرہون منت ہے نا کہ سرمایہ کا معاشرے کو بنانے میں ہر مرد و زن بوڑھے بچے کا برابر کا حصہ ہے اور ہر انسان کسی نہ کسی رنگ میں محنت کار ضرور ہوتا ہے چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ہر انسان سرمایہ دار نہیں ہوتا اس لیے دولت پر محنت کا حق فائق ماننا ایک فطری عمل ہے اور یہ عین انصاف ہے اس لیے اسلام نے کمزور کو حق ملکیت دے کر محنت کی عظمت کو سہارا دیا ہے نہ کہ سرمائے کو کیونکہ اسلام سے پہلے تو تمام عظمتیں سرمائے کی وجہ سے سرمائے دار ہی کے لیے تھیں اور اسلام میں جو مال غنیمت آیا تو اس مال کو سرمائے دار کی ملکیت میں نہیں بلکہ محنت کش کو دے کر اس کو اس کا حق ملکیت دیا گیا ہے کیونکہ دولت کی اصل مالک محنت ہے دولت کی پیداوار میں محنت کا درجہ ایک ماں کا سا ہے اسلام نے اسے صرف شخصی ملکیت کے زمرہ میں لاکر تقسیم دولت کا ایک صالح نظام دیا ہے۔ محنت کش صرف ضرورت کے لیے دولت کماتا ہے اس لیے کہ اس کے وسائل محدود ہیں۔ لیکن وسائل پر اجارہ داری اکیلے سرمایہ دار کی ہے اس لیے یہ اپنے وسائل کے مطابق دولت سمیٹتا ہے یہ نظام اس لیے بھی فائق ہے کہ محنت کش اپنی دولت میں ہر ضرورت مند

کا حق تصور کرتا ہے وہ ہر ایک کو اپنے جیسا ضرورت مند تصور کرتا ہے اسلام نے اس کو جس چیز پر حق ملکیت دیا ہے، دل میں وہ اس پر اپنا نہیں بلکہ ہر ضرورت مند کا حق سمجھتا ہے انھوں نے خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق کا نزع کی حالت میں اپنی صاحبزادی صدیقہ کو اپنے کفن کے بارے میں اور گھر کے اثاثے کو ورثہ کے طور پر تقسیم کرنے کے لیے جو ہدایات دیں، وہ اشتراکیت کے رہنماؤں کو بتاتے ہوئے کہا کہ خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا جو کرتا میں نے پہنا ہوا ہے اس کو دھو کر اس کا کفن مجھے دینا۔ بیٹی نے جواب دیا کہ بابا! آپ اتنے غریب تو نہیں کہ آپ کی جائیداد سے آپ کو نیا کفن بھی نہ دیا جاسکے۔ اگر آپ اپنی جائیداد سے ایسا پسند نہیں فرماتے تو میں آپ کی بیٹی ہوں، میں اپنے پیسوں سے آپ کو نیا کفن دے سکتی ہوں۔ آپؓ نے فرمایا ایسا نہیں بیٹی! نیا اور اچھا کپڑا پہننا زندہ لوگوں کا حق ہے، مردے کے کفن کو دوسرے دن مٹی کھا جائے گی، اس سے کسی ننگے کو ڈھانپا جاسکتا ہے اللہ کی نعمتوں پر غلط تصرف کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ اس پر بیٹی خاموش ہوگئی۔

خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا میری یہ تنخواہ جو بیت المال سے مجھے اپنے گزر بسر کے لیے ملتی رہی ہے بچت کی وجہ سے یہ کافی جمع ہوگئی ہے اس کو تقسیم نہیں کرنا واپس بیت المال میں جمع کرا دینا۔ یہ بیت المال کی امانت ہے اس پر ضرورت مندوں کا حق ہے۔ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ محنت کش کے کردار کا جب یہ معیار ہو تو پھر چند ٹکوں کی جائیداد یا پوری دنیا کی بادشاہت ہی اگرچہ اسے کیونکہ نہ دے دیں، تو پھر بھی اس محنت کش کے دل میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ ان کے اعتراض پر جواب دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ اگر کبھی "اِن دی لانگ رن" فطری تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے سرمایہ داریت محنت کش کو غلام بنالے تو اس صورت میں حضرت عمر فاروقؓ دوسرے خلیفہ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہوگی پھر سرمایہ داروں کا زائد از ضرورت سرمایہ لے کر ہماری حکومت ضرورت مندوں میں تقسیم کردے گی۔ ایام بحث ومباحثہ میں حضرت سندھیؒ دیر تک ڈوماہی میں نمازیں ادا کرتے رہے۔ بقول حضرت کے پرائیویٹ سیکریٹری حضرت سندھیؒ کے تہجد کے لیے وضو کرنے کے لیے گرم پانی کا اہتمام آنجہانی کامریڈ لینن کی بیوی کیا کرتی تھیں۔ اس قسم کی مذہبی تبدیلی کو دیکھ کر ورکروں نے اعتراضات کیے تو مرکزی حضرات نے کہا کہ یہ تم سے بھی بڑے "کمیونسٹ" ہیں جب تم بھی ان جیسے بن جاؤ گے تو تم پر بھی کوئی مذہبی بندش نہ ہوگی۔ حضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کاش! آپ ایک سال پہلے آجاتے تو ہم یہ لادینی انقلاب لانے کی بجائے

دینی انقلاب لاتے ۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب کبھی حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر اسلام سمجھنے اور سمجھانے والی پارٹی پیدا ہو گئی تو ہمارے یہ لادینی نظریات اس کے مقابلے میں شکست کھا جائیں گے۔

"خود نوشت" کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت کو اشتراکی حکومت نے کہا کہ آپ شاہ ولی اللہ کے نظریات پر مسلم اکثریتی علاقے تاشقند و بخارا میں حکومت بنائیں ۔ آپ کی اس حکومت پر صرف وائسرائے کے درجہ کا حاکم اعلیٰ ہوگا ۔ باقی سب کچھ آپ کا ہوگا ۔ آپ نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ اسلام اپنے اوپر کسی بھی غیر مسلم کو برداشت نہیں کرتا ۔ جب کہ اسے یہ علم نہیں کہ اسلام کیا چاہتا ہے وہ کس قانون کے ذریعے ہماری حکومت کو کنٹرول کرے گا جبکہ وہ خود اسے سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کے تقاضے پورے کرنے کی اس میں صلاحیت ہے ۔

انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ سے پہلے اس قسم کی پیش کش انور پاشا ترک کو بھی دی تھی ہم نے اس پر اپنا کوئی آدمی نہیں رکھا جس کی وجہ سے وہ باغی ہو گیا اور اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہمیں اس کو راہ گزار کرانے میں خاصی پریشانی ہوئی اور خون خرابہ بھی ہوا ۔

حضرت سندھیؒ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا مگر دوسری اقوام کے بڑے لوگوں کی جان پر جب آن پڑتی ہے تو جھوٹ بول کر اپنی جان بچا لیتے ہیں ۔ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جلا وطنی کے زمانے میں جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو اس وقت ترکی کی حکومت ختم ہو چکی تھی ۔ شریف مکہ کو انگریزوں نے کہا کہ عبیداللہ سندھیؒ ہمارا باغی ہے ، اسے ہمارے حوالے کر دو یا ملک سے نکال دو ۔

جب یہ پیغام حکومت کی طرف سے پہنچایا گیا ۔ تو حضرت سندھیؒ نے جواب دیا ۔ میں یہاں اللہ کے گھر میں اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں ۔ مجھے یہاں کوئی سیاسی کام نہیں کرنا ، صرف اپنے ہندوستانی حجاج کو یہ سمجھاؤں گا کہ میں نے کام کرنے کے دوران میں کس کس مقام پر غلطی کی ہے تاکہ مستقبل میں میری قوم اس غلطی کا اعادہ نہ کرے ۔ بس اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں ۔ مگر شریف مکہ بضد تھا کہ آپ حجاز کو چھوڑ دیں ۔ حضرت نے فرمایا کہ تم جاؤ جس نے تمھیں یہ کہا ہے کہ عبیداللہ کو میرے حوالے کر دو یا ملک سے نکال دو اسے جا کر کہہ دو کہ عبیداللہ یہی جواب دیتا ہے جب انھوں نے ایسا کیا تو اس آفیسر نے کہا کہ اگر عبیداللہ سندھیؒ نے یہی کہا ہے تو اس نے سچ کہا اس نے میدان جنگ میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اس طرح ہم نے وہاں قیام کیا

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ افغانستان کی جنگ آزادی کے زمانے میں میرے مقابلے میں برطانوی فوج کی کمان مسٹر چرچل نے کی تھی ۔ ہم نے اس کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ نہیں بولا ۔ جب کسی دین کے

مخالف سے بدلہ لیا تو بھی جھوٹ نہیں بولا بات سچی کہی اس دوران میں حضرت سندھیؒ نے فرمایا "لاجپت رائے" ۱۹۲۲ء کو ترکی آئے۔ جب مجھے ملے تو میں نے مستقبل کے ہندوستان کا نقشہ بتایا جو میں نے بنایا تھا اور اس میں مسلمانوں کو ہندوستان کے باعزت حکمران دکھایا گیا یہ سُن کر لالہ جی گرم ہو گئے اور مجھے کہا کہ ہم ہندوستان میں تمھاری ٹانگیں توڑ دیں گے۔ یہ سُن کر مجھے احساس ہوا کہ چونکہ میں ایک جلا وطن ہوں ہندوستان نہیں جا سکتا۔ اس لیے اس نے انتہائی ذلیل الفاظ میں مجھے دھمکی دے کر میرے دل دکھایا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اسے یہ ضرور بتا دوں کہ یہاں بیٹھ کر بھی وہاں ہندوستان میں میں تمھاری خبر لے سکتا ہوں چنانچہ بیئنگ کارڈ لکھا یہ ایک کھلا خط تھا اس میں کوئی جھوٹ یا غلط بیانی نہیں کی۔

میں نے لالہ جی کو لکھا کہ آپ سے میری ملاقات قسطنطنیہ میں ہوئی تھی۔ میری تجویز سے آپ نے اختلاف کیا تھا۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد بتائیے کہ اب آپ کے ذہن نے کوئی تبدیلی قبول کی ہے اپنی اس وقت کی رائے کے متعلق مجھے بتائیں چوں کہ اس خط پر میرے دستخط موجود تھے اس لیے ملٹری انٹلی جنس کے ہاں سنسر کے لیے گیا اس کی ایک کاپی سول انتظامیہ کو بھیجی گئی۔ لاہور کے انگریز ڈی۔سی نے لالہ جی کو بلا کر دریافت کیا کہ عبیداللہ سندھیؒ کا خط اس مضمون کا آپ کو ملا ہے۔ اس نے کہا ہاں، ڈی۔سی نے پوچھا وہ کیا پلان تھا۔

اس پر لالہ گرم ہو گئے کیوں کہ پہلے بھی وہ مجھ سے سُن کر گرم ہو گئے تھے بات لالہ جی کے نزدیک کوئی اہم نہ تھی اس لیے لالہ جی نے انگریز بہادر کو ٹال دیا۔ جب چند ایک ملاقاتوں میں لالہ جی کا رویہ ایک جیسا رہا تو انگریز بہادر نے اس پر مزید گرفت بڑھا دی تو لالہ جی سخت برہم ہو کر بولے! آپ کیوں پوچھتے ہیں۔ وہ کوئی اہم بات نہیں، بکواس ہے۔

ڈی۔سی نے جواباً کہا کہ مولوی عبیداللہ سندھی ایک اہم آدمی ہیں ایک اہم انسان کی بات بکواس نہیں ہو سکتی ہم سمجھتے ہیں کہ تم بھی عبیداللہ سے مل گئے ہو۔ اس کی ہدایت پر یہاں کام کر رہے ہو۔ جو ہم سے چھپا رہے ہو اس پر لالہ جی نے انگریز سے کہا! اگر ایسا ہے تو ایسا ہی اس پر انگریزوں نے اسے خفیہ جماعت کا لیڈر تصور کر لیا۔ ایک دن دہلی دروازے کے باہر جلوس کی قیادت کرتے وقت پولیس نے ان کے جلوس پر لاٹھی چارج کیا اور اس طرح لالہ جی وہیں بولو رام ہو گئے۔ حضرت سندھی چاہتے تھے کہ برصغیر جنوبی ایشیا کے ہر اس علاقہ کی اکائی کو جس میں لسانی اور معاشی وحدت پائی جائے، اسے ایک ریاست کا درجہ دیا جائے۔

مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ اناج پیدا کرنے والی جماعت یعنی کسان مزدور کی بڑھتی ہوئی ضروریات حکومت پوری کرے۔ اناج پیدا کرنے والی جماعت پر ٹیکس لگانے سے ملک قحط کا شکار ہو سکتا ہے ملک کا ہر انسان ملک کے وزیر اعظم سے لے کر خانقاہوں کے سجادگان یا پھر کمزور تر آبادی کے فرد تک کو کم از کم اپنی روٹی پیدا کرنے کے برابر تک کا کام اپنے ہاتھ سے ضرور کرنا ہوگا۔ یہ سب کچھ اسلام کے عین مطابق ہے ہم یورپ کے مقابلے میں ایشیائی بلاک بنانے کے حامی ہیں ہمارے علاقہ کی آزادی کا یہ بلاک ضامن ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن ہے اور شاندار ہے بے شک اسلام پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار پھر اٹھے گا لیکن خارج میں اس کا وہ ڈھانچہ یہ نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔ مجھے جس طرح اس بات پر یقین ہے کہ اسلام ایک بار پھر ابھرے گا اسی طرح میرا یہ بھی ایمان ہے کہ ہمارا موجودہ ڈھانچہ اب چند دنوں کی چیز ہے اسلام کو اپنا ایک ڈھانچہ بنانا ہوگا اور مسلمان اسے جس قدر جلد بنالیں بہتر ہوگا۔ یہ وہ عقیدے ہیں جو مجھے کشاں کشاں ہندوستان لے جا رہے ہیں۔ میں اب چراغ سحری ہوں خدا معلوم زندگی کے کتنے دن اور ہوں گا۔ چاہتا ہوں مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کانوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں۔ "امالی امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ؒ"

مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی دہلی کے جواب میں ایک مفصل خط کے حصہ میں لکھا کہ " جب کہ میں ماسکو کے انٹرنیشنلسٹ طبقے سے یہ عقل مندی کی آوازسن چکا ہوں کہ اگر امام ولی اللہ کے اصول پر ہندوستانی مسلمانوں کی سوسائٹی ہوتی تو ہم اسلام قبول کر لیتے۔ (بعد شکریہ " برہان" دہلی)

حضرت نے ۶ ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو جو شکریہ کا خط چوئیتھ رام صدر کانگریس کمیٹی سندھ کو لکھا تھا اس میں اپنے پروگرام پر یقین دہانی ان الفاظ میں کی "کمیونسٹ انٹرنیشنل ہماری اسکیم ماننے والے مسلمان سے لڑنا ضروری نہیں جانتا بلکہ بعض پروفیسر جلسوں میں یہ کہتے رہے کہ اگر ایسی مذہبی جماعت منظم ہوتی تو ہم اس کو قبول کر لیتے اور کاشت کاروں کے مسئلہ کو حل کرنے میں بے حد مفید ہوتی" اس کے آخر میں لکھتے ہیں اب تو ہم شاہ ولی اللہ کا فلسفہ یا قرآن پڑھانے کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ (بعد شکریہ "الولی" حیدرآباد)

اس عظیم شخص کی عظمت کو دیکھنے کے لیے ایوب خان کے دور حکومت میں جرمن فوجی مشن نے ایبٹ آباد میں حضرت سندھی کا نام لے کر دریافت کیا کہ وہ نعت پلیس ہیں یا یہاں ہیں؟ انہیں دین پور شریف بتایا گیا۔ خان پور سے راقم الحروف کو ساتھ لے کر دین پور شریف پہنچے سڑک اور راستہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی گاڑیاں

مٹی میں دھنس گئیں۔ ان کا حلیہ پہچان سے باہر تھا۔ مصر جرمن جرنل ننگے سر نیل ڈاؤن شکل میں مزار پر کھڑے رہے۔ پرنم آنکھوں سے سر اٹھایا اور فوجی اعزاز کے ساتھ سیلیوٹ کیا اور کہا کہ یہ عظیم انسان اگر ہمارے ہاں ہوتے تو ہم بڑے چوک میں ان کا اسٹیچو نصب کرتے ان کی لاش قیامت تک زائرین کے لیے عجائب گھر میں رکھتے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے زمانے میں انھوں نے ہم جرمنوں کے بڑے بڑے مسائل حل کیے۔ یہ محسن جرمن ہیں، ہم نے ان کے ساتھ کابل میں مل کر کام کیا۔ یہاں کے لوگ شاید ان کو نہیں جانتے۔ یہ سب باتیں اخبارات میں شائع ہوئیں میرے محترم جناب سید مسرت حسین زبیری ان دنوں بہاولپور میں کمشنر تھے۔ وہ فوراً دین پور گئے اور عبیداللہ سندھیؒ روڈ کے نام کی منظوری دی۔

امام انقلاب ایک جنگی مجرم اور باغی کی حیثیت سے ۲۵ سال جلا وطن رہے ۱۹۳۹ء کو ہند واپس آئے ۱۹۴۲ء میں عالمی جنگ میں پروونشل گورنمنٹ کے وزیر ہند کی حیثیت سے سوبھاش چندر بھوس کو اپنا معتمد بنا کر جاپان بھیجا جس کی وجہ سے وہاں کے فوجی سربراہ نے سوبھاش سے تعاون کیا اور اس نے سرحد پر آزاد ہند فوج کا دباؤ بڑھا دیا۔ اور انگریز آزادی دینے پر مجبور ہو گیا۔ (اس کا انکشاف امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں کیا) اس شکست کے انتقام میں انگریز نے حضرت سندھیؒ کو کلکتہ ہی میں زہر دلا دیا۔ اور ملاؤں کے ذریعہ ان کی آنکھوں میں کراچی کے اندر تیزاب ڈلوا دیا انھوں نے ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو دین پور شریف ضلع رحیم یار خان بہاولپور ڈویژن (پنجاب) پاکستان میں اپنی صاحبزادی کے ہاں انتقال فرمایا۔

دین پور شریف ہی میں حضرت خلیفہ صاحبؒ کے قبرستان میں ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں (آمین)

ان دعائیہ کلمات کے بعد قائدین سوسائٹی کی اعلیٰ قدر خدمات کو نہ سراہوں تو یہ میرے لیے تمام عمر انتہائی شرمندگی کا باعث ہوگا۔ میں سجادہ نشین امام الہدیٰ صاحب الرشد و ہدایت علامہ میاں محمد اجمل قادری صاحب دامت برکاتہم صاحبزادہ جناب ڈاکٹر میاں محمد اکمل قادری صاحب کا قلب صمیم سے شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے مجھے اس متبرک مجلس میں شریک کر کے اہل علم حضرات سے مستفید ہونے کا سنہری موقع فراہم کیا۔ محترم جناب ظہیر میر صاحب (ایڈووکیٹ) سیکرٹری سوسائٹی اور جناب بشیر احمد صاحب معتمد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شکر گزار ہوں جن کی شب و روز انتھک محنت سے یہ ایمان افروز تقریب بحسن و خوبی سے اختتام پذیر ہوئی (یہ مقالہ حضرت سجادہ نشین امام الہند کے حکم سے حضرت امام انقلاب سندھیؒ کے یوم پیدائش کی تقریب کے لیے لکھا گیا اور ۱۲ مارچ ۱۹۹۱ء کو شیخ التفسیر ہال میں پیش کیا گیا)۔